# خطبہ جمعہ

## رحیمیت خدا تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں کے لئے ہے جو ہر وقت نیک کاموں کے لئے تیار رہتے ہیں

### آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شدید دشمنوں سے بھی نفرت نہیں کرتے تھے بلکہ آپؐ کو ان پر رحم آتا تھا

### ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اگر وہ روزانہ ظلمت سے نکل کر نور کی طرف نہیں جا رہا تو وہ مومن نہیں ہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۲۹؍جون ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۹؍احسان ۱۳۸۰ء ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾(الفتح:۱۵) اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں یہ جو ہے "جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے"، اس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی وضاحت سے فرمایا ہے کہ جسے چاہتا ہے سے مراد یہ نہیں ہے کہ arbitrary فیصلہ کرتا ہے، بغیر کسی مقصد کے جس کو چاہے جہنم میں ڈال دے جس کو چاہے جنت میں ڈال دے بلکہ چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس لائق ہے کہ اس کو بخشا جائے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس لائق ہے کہ اس کے ساتھ عذاب کا سلوک کیا جائے۔

پس یہ آیت کریمہ جو سورۃ الفتح کی ہے اس کی تفسیر میں اب مَیں حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک تحریر پیش کرتا ہوں۔ "جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اس کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ۔ایک صحیح واقعہ سناتا ہوں۔ یہاں ایک شخص آیا، کشمیر میں ملازم تھا۔ حضرت صاحب سے بیعت کی۔ بیعت کے بعد کہنے لگا کہ اب مَیں گناہ کروں تو پھر اللہ کی مرضی ہے جو چاہے مجھے سزا دے۔ اب یہ اس نے بڑی جرأت کی اللہ تعالیٰ پر، اب اگر مَیں کوئی گناہ کروں تو پھر اللہ کی مرضی ہے جو چاہے مجھے سزا دے۔ وہ تو کہہ کر چلا گیا مگر میرا دل کانپ اٹھا، آخر ایک معمولی حیلہ سے اس کے پاس تین ہزار روپے جمع ہوگئے۔ پھر ایک شخص کی گواہی دیتے ہوئے کہنے لگا کہ رشوت لیتا ہے، مَیں خود اپنی معرفت اس کو دلاتا رہا ہوں۔ جس پر ایک مقدمہ قائم ہو گیا۔ یہاں اس نے بڑے عجز و الحاح سے دعا کے لئے لکھا۔ حضرت صاحب نے فرمایا دعا کے لئے دل توجہ نہیں کرتا، ابتلاء معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ تین ہزار بھی مقدمہ ہی میں خرچ ہو گیا اور اخیر قید کا حکم ہوا۔ اس وقت کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے خدا ہی کوئی نہیں، نہ کوئی دعا ہے نہ فقیر۔ نماز بھی چھوڑ دی، دہریہ ہو گیا۔ اس وقت اسے رات کو خواب آیا کہ تُو تو کہتا تھا کہ اب کوئی گناہ کروں تو خدا جو چاہے سزا دے دے مگر اب ایک معمولی سزا ہی سے خدا ہی سے منکر ہو بیٹھا ہے۔ اسی وقت اٹھا اور بہت استغفار کی، کلمہ شہادت پڑھا، نماز پڑھی اور اللہ کی طرف متوجہ ہوا۔ کسی نے مشورہ دیا کہ نظر ثانی کراؤ کہنے لگا نہیں اب تو خدا پر ہی چھوڑ دیا ہے۔ اس کے رشتہ دار نے نظر ثانی کرائی، مدعی اتنے میں مر گیا، عدالت نے فیصلہ دیا۔ چند امور تنقیح طلب باقی ہیں، مدعی مر چکا ہے اس لئے اسے رہا کر دیا جائے۔ دیکھا وہ شدید العقاب بھی ہے مگر اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے تو غفور رحیم بھی۔(ضمیمہ اخبار بدر قادیان ۱۹؍اگست ۱۹۰۹ء)

اب دوسری آیت ہے سورۃ الحجرات سے لی گئی ہے﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. فَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ. وَاتَّقُوا اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ﴾(سورۃ الحجرات آیت ۱۳) اس کا ترجمہ یہ ہے: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بکثرت ظن سے اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس سے سخت کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ضمن میں فرماتے ہیں:

"﴿اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ بدظنی ایک ایسا مرض ہے اور ایسی بری بلا ہے جو انسان کو اندھا کر کے ہلاکت کے تاریک کنوئیں میں گرا دیتی ہے۔ بدظنی ہی ہے جس نے ایک مردہ انسان کی پرستش کرائی۔ بدظنی ہی تو ہے جو لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی صفات خلق، رحم، رازقیت وغیرہ سے معطل کر کے نعوذ باللہ ایک فرد معطل اور شئی بے کار بنا دیتی ہے۔ الغرض اسی بدظنی کے باعث جہنم کا ایک بہت بڑا حصہ، اگر کہوں کہ سارا حصہ بھر جائے گا تو مبالغہ نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ماموروں سے بدظنی کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کو حقارت سے دیکھتے ہیں"۔

مزید فرمایا:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے غیبت کا حال پوچھا گیا تو فرمایا کسی کی سچی بات کا اس کی عدم موجودگی میں اس طرح بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہے تو اسے بُرا لگے، غیبت ہے"۔ اب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی برائی سچی ہے تو وہ اس کی پیٹھ کے پیچھے بیان کرنا غیبت نہیں بلکہ سچی بات کہنا ہے، یہ درست نہیں ہے۔ غیبت کا بہت چسکا ہوتا ہے لوگوں میں، خصوصاً خواتین میں اور جتنا مرضی سمجھاتے رہو غیبت کا وہ مزا جو ان کو آتا ہے اس کا کوئی جواب ہی نہیں ہے۔ اس لئے کسی نہ کسی وجہ سے غیبت کرتی ہیں۔ اگر وہ بات سچی ہو اور کوئی ان کو ٹوکے تو کہیں گی بالکل سچی بات ہے ہم نے کوئی جھوٹ بات نہیں بنائی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو یہ بات ناپسند تھی۔ عدم موجودگی میں اس طرح سے بیان کرنا کہ اگر وہ موجود ہو تو اس کو بُرا لگے۔ یعنی اگر وہ موجود ہو تو کبھی بھی وہ بات نہیں کہیں اس کا مطلب ہے غیبت کر رہے ہیں۔ اور اگر وہ بات اس میں نہیں ہے وہ بیان کرتا ہے تو اس کا نام بہتان ہے، غیبت نہیں۔ "خدا فرماتا ہے﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا. اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا﴾ اس میں غیبت کرنے کو ایک بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے"۔ اب ایک مردہ بھائی کا گوشت کھاؤ تو مردہ بھائی کو کیا پتہ کہ کون کیا کھا رہا ہے۔ یہی حال اپنے بھائی کی غیبت کرنے کا ہے۔ "اور اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ جو آسمانی سلسلہ بنتا ہے ان میں غیبت کرنے والے بھی ضرور ہوتے ہیں"۔

اب یہ بھی بہت غور طلب مسئلہ ہے۔ اس سلسلۂ الٰہیہ میں بھی بہت غیبت کرنے والے ہیں اور کثرت سے کرتے ہیں اور میرے پاس بھی غیبت کرتے ہیں جو نہایت ہی نامناسب بات ہے۔ اسی لئے مَیں اصرار کرتا ہوں کہ جب بھی کسی کی کوئی برائی کی طرف توجہ دلانی ہو تو سب سے پہلا تو فرض یہ ہے کہ اس کے لئے دعا بھی کرو اور خود اس کو علیحدگی میں برائی کی طرف توجہ دلاؤ۔ بھائیوں میں بیٹھ کر اس کی برائی کرنا یہ بہت بڑا گناہ ہے اور مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف ہے۔ لیکن اس جماعت میں بھی ایسے لوگ ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں اُس زمانہ میں بھی تھے اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھے اور اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا زمانہ ہے اس میں بھی یہ لوگ بکثرت پائے جاتے ہیں کیونکہ یہ چسکا ایسا ہے کہ ایک دفعہ منہ کو لگ جائے تو اس کو منہ سے چھڑانا بڑا مشکل کام ہے۔ "اگر مومنوں کو ایسا ہی مُطَھَّر ہونا تھا اور ان سے کوئی بدی سرزد نہ ہوتی تو پھر اس آیت کی کیا ضرورت تھی"۔(البدر جلد سوم نمبر ۲۶۔ ۸؍جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۴)۔ اس سے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استنباط فرمایا ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس آیت کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی۔

اب سورۃ الطّور کی ۲۷ تا ۲۹ آیات آپ کے سامنے پیش ہیں۔﴿قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا.وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ. اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ اِنَّهٗ هُوَالْبَرُّ الرَّحِيْمُ﴾ ترجمہ: وہ کہیں گے یقیناً ہم تو اس سے پہلے اپنے اہل و عیال میں بہت ڈرے ڈرے رہتے تھے۔ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں جُھلسادینے والی لپٹوں کے عذاب سے بچایا۔ یقیناً ہم پہلے بھی اسی کو پکارا کرتے تھے۔ بے شک وہی بہت نیک سلوک کرنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہاں بَرّ سے مراد ہے بہت زیادہ نیک سلوک کرنے والا اَلْبَرُّ الرَّحِيْمُ اور رَحِيْم سے مراد ہے بار بار رحمت کا سلوک کرنے والا۔

اس آیت کی تشریح میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”رحیمیت خدائے کریم کی طرف سے ان لوگوں کے لئے ہے جو نیک کام کرتے ہیں، ہر وقت نیک کاموں کے لئے تیار رہتے ہیں اور کوئی کوتاہی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کو یاد رکھتے ہیں، کبھی غافل نہیں ہوتے، آنکھوں سے کام لیتے ہیں اندھے نہیں بنتے، کوچ کے دن کے لئے تیار رہتے ہیں اور ربِّ جلیل کی ناراضگی سے بچتے ہیں، اپنے رب کے لئے سجدہ اور قیام میں راتیں گزارتے ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں، اپنی موت، اپنے مالک حقیقی کی طرف واپس لوٹنے کو نہیں بھولتے، کسی کی موت کی خبر سن کر عبرت حاصل کرتے ہیں، کسی دوست کے گم ہو جانے پر کانپ اٹھتے ہیں، دوستوں کی موت سے اپنی موتوں کو یاد کرتے ہیں، اپنے ہم عمر ساتھیوں پر مٹی ڈالنا انہیں خوف دلاتا ہے۔ پس وہ ان کے غم سے جلتے ہیں اور خود ہوشیار ہو جاتے ہیں، دوستوں کی مفارقت انہیں اپنی موت (کا نظارہ) دکھا دیتی ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور نیکوکار بن جاتے ہیں“۔

اب یہ جو معیار ہے حضرت اقدس مسیح معود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کو ہم اگر اپنے اوپر پرکھیں تو ہم میں سے کوئی بھی معلوم ہوتا ہے مومن ہے ہی نہیں۔ ہم سب بھول جاتے ہیں اس بات کو کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں سے اگر ہیں تو ان کڑی شرطوں کی پیروی کریں۔ لیکن مَیں پہلے بھی بارہا توجہ دلا چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جو شرطیں بیان کرتے ہیں وہ بہت ہی کڑی ہیں اور بہت اعلیٰ درجہ کے مومن کی شرطیں ہیں۔ صرف مراد یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جماعت کو اس بلند پیمانہ سے پرکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر کمزور ہیں اور جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام خود تسلیم فرماتے ہیں کمزور پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ کمزور ڈر کر اس راہ سلوک سے ہی قدم روک لیں اور کوشش ہی ترک کر دیں۔ پس فرض ہے کہ اپنی کوشش جاری رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے توبہ بھی کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے رحمت چاہتے رہیں۔

”رحیمیت کی صفت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی تعلیم اور تفہیم کی توام ہے“۔ یعنی رحیمیت اور اللہ تعالیٰ کی کتاب گویا دونوں جڑواں بچے ہیں۔ اگر رحیمیت نہ ہوتی تو یہ کتاب بھی نازل نہ ہوتی جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ ”اس سے قبل“ کتاب کے نزول سے قبل ”کسی پر گرفت نہیں ہوتی“ جب تک بات کھول نہ دی جائے اس وقت تک کوئی شخص پکڑا نہیں جاتا۔ ”اور نہ کسی پر اللہ تعالیٰ کا شدید غضب نازل ہوتا ہے جب تک یہ رحیمیت ظاہر نہ ہو۔ کسی بدکار انسان سے اس کی بدکاری کے متعلق مؤاخذہ اس کے بعد ہی ہوگا“۔(کرامات الصادقین۔روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۱۱۳۔۱۱۴)

اب یہاں ایک الجھن پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر کتاب کے نزول اور رحیمیت کے بعد مؤاخذہ ہوتا ہے تو کیا بہتر نہ ہوتا کہ نازل ہی نہ ہوتی اور کسی کا مؤاخذہ نہ ہوتا۔ یہ تقدیر الٰہی کے خلاف ہے۔ اگر کسی کا مؤاخذہ نہ ہوتا تو پھر دنیا جو اب گناہوں سے بھری ہوئی ہے اس سے بہت زیادہ گناہوں سے بھر جاتی۔ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ کیا حال ہوتا۔ اب دیکھ لو حکومت کے مؤاخذہ سے بھی کتنے لوگوں کی جان نکلتی ہے اور اس ادنیٰ دنیا کے مؤاخذہ سے ہی گھبرا کر وہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ کم سے کم پکڑے نہ جائیں اور چھپ کر گناہ کریں۔ لیکن اکثر پکڑے بھی جاتے ہیں ان کو دیکھ کر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اگر یہ مؤاخذہ نہ ہو تو دنیا فسق و فجور سے اس قدر بھر جائے کہ لازماً یہ دنیا کلیۃً خدا کے غضب سے تباہ کر دی جائے مگر وہ مغفرت فرماتا ہے اور بار بار رحم کرتا ہے اور بار بار موقع دیتا ہے کہ ہم اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہیں اور فسق و فجور سے استغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہیں اور اس کی رحیمیت کے متقاضی رہیں۔

اب ایک اور آیت جس کے متعلق مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ واضح نہیں فرمایا کہ وہ کیا بات تھی اور کن بیویوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ آیت ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ اے نبی تو اس بات کو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے حلال کر دی ہے ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ﴾ صرف اس لئے کہ اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ اس قسم کی قسمیں تم نے کھا رکھی ہیں ہم یہ نہیں کھائیں گے اور وہ نہیں کھائیں گے اور وہ چیزیں جو اللہ نے حلال کی ہیں ان کو اپنے اوپر حرام کرنے کی قسم کھائی ہو تو یہ قسم ناجائز ہے اور اس کا توڑنا ضروری ہے۔﴿وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ﴾ اللہ تمہارا والی ہے ﴿وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ اور وہ بہت جاننے والا اور بہت حکمت والا اور دائمی حکمت والا ہے۔(التحریم:۲۔۳)

اس ضمن میں حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں اس آیت کریمہ کے تحت یہ حدیث بیان فرمائی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ زینب بنت جحش کے گھر شہد نوش فرمایا کرتے تھے۔ پھر مَیں نے اور حفصہ نے مشورہ کیا کہ آنحضور ﷺ ہم میں سے جس کے گھر بھی جائیں تو وہ آپؐ سے کہے کہ آپ نے مَغَافیر کھایا ہے۔ مَغَافیر ایک خاص قسم کے درخت سے نکلنے والا لیس دار مادہ ہے جس میں سے ہلکی بو آتی ہے۔ پس آپؐ کے منہ سے مَغَافیر کی سی بُو آ رہی ہے اس کی بو کچھ نہ کچھ شہد سے ملتی ہے۔ پس انہوں نے بہانہ بنایا اس حدیث کے مطابق۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ ہاں زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا کرتا ہوں لیکن آج کے بعد مَیں نے قسم کھائی ہے کہ دوبارہ شہد نہیں پیؤں گا لیکن تم اس بارہ میں کسی کو ہرگز نہ بتانا۔

اب بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو ہر قسم کی بدبو سے نفرت تھی اور ہر قسم کی خوشبو پسند تھی۔ اسی بنا پر آپ نے یہ فرمایا کہ مَیں نے قسم کھائی ہے کہ آئندہ سے مَیں وہ شہد بھی نہیں پیئوں گا جس میں سے بدبو آتی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ بیویوں کی مرضی کی خاطر تم وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کرو گے جو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی ہیں اور حلال بھی وہ جو طیبات میں سے ہیں، حلال بھی وہ جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے۔ اور جس پر شہد کی مکھی ایک قطرہ بنانے کے لئے کتنی دفعہ پھولوں کے چکر لگاتی ہے۔ یہ تفصیل تو نہیں لیکن مضمون یہی ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ شفا قرار دے تم اس کو اپنے اوپر حرام قرار دے دو۔ پس یہ قسم ایسی ہے جس کو توڑنا لازم ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس کے بعد قسم سے توبہ کر لی اور یہ قسم ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسرے کا حق ادا کرنا ہو۔ وہ قسمیں جس میں انسان کسی کو کہتا ہے مَیں تمہارا یہ حق ادا کروں گا یہ اور بات ہے مگر ایسی قسم جس میں کسی کا حق ہی نہ ہو اور خواہ مخواہ اپنے اوپر جبر کیا جائے یہ جائز نہیں ہے اس لئے ایسی قسموں کو توڑ دینا چاہئے۔

سورۃ التوبہ آیت نمبر ۲۸ ہے ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ یقیناً تمہارے پاس تمہی میں سے ایک رسول آیا اس پہ بہت سخت شاق گزرتا ہے جو تم تکلیف اٹھاتے ہو (اور) وہ تم پر (بھلائی چاہتے ہوئے) حریص (رہتا) ہے۔ مومنوں کے لئے بے حد مہربان (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے لئے لفظ حریص ایک بہت ہی اعلیٰ درجہ کی صفت کے طور پر بیان ہوا ہے۔ ویسے تو حریص ایک ایسا لفظ ہے جس کے متعلق ہم پنجابی میں لوگ کہتے ہیں ”شودھا“ اور بہت حرص کرنے والا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی تعریف میں بسا اوقات قرآن کریم ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے جو بظاہر دنیا کی نظر میں ناپسندیدہ ہوں لیکن اس سے بڑھ کر تعریف ممکن نہ ہو اسی لئے آپ کو ظَلُوم بھی فرمایا بہت ظلم کرنے والا، لیکن دوسروں پر نہیں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا، جَهُوْل بھی فرمایا یعنی عواقب سے بے خبر، حالانکہ لوگ دوسروں پر ظلم کر کے اس کے عواقب سے بے خبر ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شان یہ تھی کہ اپنے نفس پر ظلم کر کے لوگوں کی خاطر پھر عواقب سے بے خبر ہو جاتے تھے کہ اس

کے نتیجہ میں نفس پہ جو گزرے سو گزرے۔ پس یہاں بھی حریص کا لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جو غیر معمولی تعریف کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی مومنوں کے اوپر اتنا رحم، اتنی شفقت تھی کہ حرص رہتی تھی کہ مومن کوئی دکھ نہ اٹھائیں۔ ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ وہ مومنوں پر بہت رأفت کرنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جیسا کہ خدا تعالیٰ قادر ہے، حکیم بھی ہے اور اس کی حکمت اور مصلحت چاہتی ہے کہ اپنے نبیوں اور ماموروں کو ایسی اعلیٰ قوم اور خاندان اور ذاتی نیک چال چلن کے ساتھ بھیجے تا کہ کوئی دل ان کی اطاعت سے کراہت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جو تمام نبی علیہم السلام اعلیٰ قوم اور خاندان میں سے آتے رہے ہیں۔(تریاق القلوب صفحہ ۶۷)

اب یہ بھی بڑی حکمت کی بات ہے جو سمجھنی چاہئے کہ ذاتیں تو کوئی چیز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے سب بندوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے مگر اگر انبیاء کو ایسی ذاتوں میں سے پیدا کیا جاتا جو دنیا کی نظر میں ذلیل اور گھٹیا ہیں تو ان کے لئے ایک بہانہ ہاتھ آ جاتا کہ یہ تو ہمارا کمّی کاری ہے، یہ اٹھ کر نبوت کر رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس لغو اعتراض کا کسی کو موقع ہی نہیں دیا۔ انبیاء کو ہمیشہ اعلیٰ ذاتوں میں سے چنتا ہے ہاں اس کے ماننے والے بظاہر چھوٹے اور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

پس جب بھی دیکھو دشمن نے یہ اعتراض تو کیا ہے کہ تجھے ماننے والے تیرے گرد اکٹھے ہونے والے وہ لوگ ہیں جن کو ہم حقیر اور معمولی جانتے ہیں کبھی یہ اعتراض نہیں کیا کہ تو حقیر اور معمولی تھا۔ یہاں تک بھی دشمن کہتے ہیں تُو تو مَرْجُوّ تھا، تُو تو ایسی بلند شان اور ایسے اعلیٰ اخلاق اور ایسی اعلیٰ قوم سے تعلق رکھتا تھا کہ ہم امیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ تجھ سے کوئی بہت عالیشان کام سرزد ہوگا۔ تو دیکھو ساتھیوں کو غریب اور معمولی سمجھتے ہیں اور انبیاء کو اپنی ذات میں اعلیٰ درجہ کا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو اور دوسرے نبیوں کو تمام لوگوں سے برتر اور بالا ذاتوں اور رشتوں سے منسلک کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں دشمنوں کے پاس کوئی بہانہ انکار کا نہ رہا۔ ساتھیوں پر جو اعتراض تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ان لوگوں کو نیچے درجہ کا نہیں سمجھتا جو تم سمجھ رہے ہو میں تو ان کی بہت عزت و احترام کرتا ہوں کیونکہ میرے نزدیک جو اللہ سے تعلق باندھے وہی اونچا ہے جو اللہ سے تعلق کاٹ لے وہی نیچا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آیت کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں جو نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۳۹ میں درج ہے:

''تعلیم قرآنی ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ نیکوں اور ابرار اخیار سے محبت کرو اور فاسقوں اور کافروں پر شفقت کرو''۔ اب یہ بھی بار بار پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ فسق و فجور اور کفر سے نفرت ہے، فاسقوں اور فاجروں پر شفقت ہے۔ یہ بہت گہرا مسئلہ ہے اس کو اچھی طرح ہمیں سمجھنا چاہئے اور ہمیشہ ہمیش پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی فاسق اور فاجر اگر بد ہو تو اس سے نفرت جائز نہیں ہے ہاں اس کے فسق و فجور سے نفرت بے شک کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ایک موقع پر یہاں تک لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارا دوست شراب کے نشہ میں دھت کسی گندی نالی میں جا پڑا ہو اور لوگ اس پر تمسخر کر رہے ہوں اور مذاق اڑا رہے ہوں۔ اگر مجھے معلوم ہو تو میں خود وہاں جاؤں، اس کو گند سے نکالوں اور سہارا دے کر اس کو صاف جگہ پر پہنچاؤں اور اس کی صفائی کروں۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت کا ایک نمونہ ہے جو آپ کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے یعنی خلاصہ یہ ہے کہ بدی سے نفرت لیکن بدوں سے پیار۔ بدوں سے رحمت اور شفقت کا سلوک اور ہر بدی سے نفرت، یہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس کی کوئی مثال کسی دوسرے مذہب میں نظر نہیں آئے گی۔

فرماتے ہیں:

''تعلیم قرآنی ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ نیکوں اور ابرار اخیار سے محبت کرو اور فاسقوں اور کافروں پر شفقت کرو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی اے کافرو! یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو دیکھ نہیں سکتا''۔ یہاں صرف مومنوں کے متعلق نہیں فرمایا بلکہ کافروں پر بھی رسول اللہ ﷺ کو رنج ہوتا تھا۔ یہ مزید نکتہ ہے اس مسئلہ کا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر سے ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔ عام طور پر مفسرین اس کو صرف مومنوں تک محدود کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومنوں تک محدود نہیں رسول اللہ ﷺ کو کافروں کی ہلاکت پر بھی دکھ پہنچتا تھا۔ اور اسی مضمون کی ایک دوسری آیت ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾ بھی روشنی ڈالتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے شدید ترین معاند اور شدید دشمنی کرنے والوں سے بھی آپؐ کو نفرت نہیں ہوتی تھی، ان پر رحم آتا تھا اور ان کے لئے اپنے نفسوں کو ہلاک کرتے تھے، دعائیں کرتے ہوئے۔

چنانچہ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اے کافرو! یہ نبی ایسا مشفق ہے جو تمہارے رنج کو نہیں دیکھ سکتا اور نہایت درجہ خواہشمند ہے کہ تم ان بلاؤں سے نجات پا جاؤ''۔(نور القرآن۔ نمبر ۲۔ صفحہ ۳۹)

ایک سورۃ الحدید کی دسویں آیت ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾۔ وہی ذات ہے جس نے اپنے بندہ پر بیّن آیات یعنی روشن آیات نازل فرمائیں۔ اب آیات کو روشن فرما کر اسی نسبت سے فرمایا ﴿لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ تاکہ وہ تمہیں ظلمتوں اور تاریکیوں سے نور کی طرف نکالے ﴿وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رؤف اور رحیم ہے۔ پس وہی صفت جو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی تھی وہ صفات جو آپ کی تھیں وہ دراصل خدا کی صفات ہیں جو بدرجہ یکسانیت یعنی اللہ اور رسول کے اندر جو ہمہ گیر یکسانیت ہمیشہ رہتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم خدا تعالیٰ کی صفات کے سامنے ایسا جھکتے تھے گویا خود ان صفات کے حامل ہو گئے۔ اس بناء پر رؤف رحیم کا لفظ ایک جگہ آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے اور یہی لفظ دراصل بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اگر وہ روزانہ ظلمت سے نکل کر نور کو نہیں جا رہا تو وہ مومن نہیں ہے''۔(ضمیمہ اخبار بدر۔ قادیان۔ ۵/اگست ۱۹۰۹ء)۔ اب یہ بھی اپنے اعمال کی پہچان کا ایک بہت ہی اعلیٰ ذریعہ ہے۔ دراصل ہر مومن کو اپنے اعمال کی پہچان کے لئے یہ کسوٹی اپنے سامنے رکھنی چاہئے۔ اگر ہر روز اس کی کوئی برائی چھٹ کر الگ نہ ہو جائے اور کوئی خوبی نہ آ جائے، خواہ تھوڑی ہی ہو، تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ میرا قدم ترقی کی طرف نہیں اٹھ رہا۔ اور ہماری اتنی برائیاں ہیں کہ اگر روزانہ بھی ان برائیوں میں سے کچھ کو چھانٹ کر الگ کریں تو پھر بھی وہ باقی رہیں گی اور اس منزل تک پہنچنا جس پہ رسول اللہ ﷺ پہنچے ہوئے تھے وہ تو ایک بہت بعید سی بات ہے، اتنا بلند مقام ہے کہ حقیقت میں انسان کو ہیبت ہوتی ہے اس مقام کو دیکھ کر بھی کہ ہم کیسے یہ عظیم الشان سفر طے کریں گے۔ مگر سفر شرط ہے کچھ نہ کچھ ضرور انسان سفر کے نتیجہ میں مسافت طے کرتا ہے، کتنا ہی لمبا سفر ہو ایک ایک قدم، ایک ایک قدم منزل کے قریب ہوتا چلا جائے تو بالآخر وہ سفر کی مسافت طے ہو جاتی ہے۔ پس یہی سلوک ہے جو ہمیں خدا کے بندوں کو اپنے اعمال کے متعلق کرنا چاہئے۔ ایک ایک قدم، ایک ایک قدم روزانہ سوچ کر کوئی نہ کوئی برائی دُور کرتے چلے جائیں، کوئی نہ کوئی نیکی اس برائی کی جگہ اپنے نفس میں داخل کرتے چلے جائیں تو اس کا نام ہے ظلمت سے نکل کر نور کی طرف سفر کرنا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''جس قدر انسان کے نفس میں طرح طرح کے وساوس ابھرتے ہیں اور شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قرآن شریف دُور کرتا ہے اور ہر ایک طور کے خیالاتِ فاسدہ کو مٹاتا ہے''۔ اب اس میں قطعاً ایک ذرّہ بھی شک نہیں کہ ہر قسم کے مفاسد کی اصلاح کے لئے قرآن کریم میں کوئی نہ کوئی آیت موجود ہے اور غور سے اگر پڑھیں اوّل سے آخر تک تو حیرت ہوتی ہے کہ کتنی مناہی ہیں اور کتنے اوامر ہیں جو قرآن کریم بندوں کو دیتا ہے اور ان میں سے ہر جو امر ہے کہ یہ کرو وہ روشنی کا سفر ہے اور جو مناہی ہے کہ یہ نہ کرو وہ ظلمت سے بچنے کا سفر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''اُن سب کو قرآن شریف دُور کرتا ہے اور ہر یک طور کے خیالاتِ فاسدہ کو مٹاتا ہے اور معرفتِ کامل کا نور بخشتا ہے۔ یعنی جو کچھ خدا کی طرف رجوع ہونے اور اُس پر یقین لانے کے

لئے معارف وحقائق درکار ہیں، سب عطا فرماتا ہے''۔

(براہین احمدیہ۔ حصہ سوم۔ صفحہ ۲۰۵۔ حاشیہ نمبر ۱۱۔ طبع اوّل)

قرآن کریم میں ہر بات موجود ہے۔ایک ادنیٰ سی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو نہ ہو۔اس زمانہ کی باتیں بھی موجود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کا زمانہ تھا۔ آپ سے پہلے کی، ابتدائے آفرینش کی باتیں بھی موجود ہیں، تخلیق عالم کا ذکر بھی موجود ہے، کیسے دنیا کی ابتداء ہوئی، کس طرح مٹی اور پانی سے انسان بنایا گیا، کیسے جنّات بنے اور جن سے مراد کیا ہے، یہ بہت لمبے مضامین ہیں اور قرآن کریم کا کمال ہے کہ ان سب کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔پھر آخری زمانہ کا ذکر بھی، آخری زمانہ تک ہونے والی باتوں کا ذکر بھی موجود ہے۔یہ ذکر بھی موجود ہے کہ انسان کے سوا اور اعلیٰ درجہ کی مخلوق بھی اسی دنیا میں پیدا ہونے والی ہے۔پھر انقلاب برپا ہو جائے گا یعنی رسول اللہ ﷺ کے آنے کا مقصد پورا ہو کر، جب آپ کے کامل انکار کے نتیجہ میں بندوں پر کامل تباہی آجائے گی تو پھر خدا تعالیٰ اسی دنیا سے کچھ اور وجود بھی پیدا کرے گا۔اب یہ باتیں حیران کن ہیں اور ناممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو از خود ان باتوں کا خیال تک گزرتا۔ مگر یہ باتیں ہیں اور قرآن کریم نے یہ ساری باتیں بیان فرمائی ہیں۔پس اس میں کوئی شک نہیں کہ سب جہان چھان ماریں جتنی دکانیں ہیں دیکھیں قرآن کریم جیسا کوئی شیشہ آپ کو نظر نہیں آئے گا، قرآن کریم جیسی کوئی کتاب دکھائی نہ دے گی جو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی بیان کرے اور ہر بڑی سے بڑی بات کو بھی۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین اس لئے کہا جاتا ہے۔فرماتے ہیں: ''ہم نے کسی خاص قوم پر رحمت کرنے کے لئے تجھے نہیں بھیجا''۔یعنی اللہ تعالیٰ مخاطب کر کے فرماتا ہے، ''بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ تمام جہان پر رحمت کی جاوے اور جیسا کہ خدا تمام جہان کا خدا ہے ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم تمام دنیا کے رسول ہیں اور تمام دنیا کے لئے رحمت ہیں اور آپ کی ہمدردی تمام دنیا سے ہے نہ کسی خاص قوم سے''۔(چشمہ معرفت صفحہ ۱۲)

اب ایک آیت ہے سورۃ الحشر آیت نمبر ۱۱ ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُ وْمِنْ بَعْدِ هِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا . رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُ وْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ اور جو لوگ ان کے بعد آئے یعنی ابتداء میں ایمان لانے والوں کے بعد آئے وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان میں ہم پر سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے کوئی کینہ نہ رہنے دے۔اے ہمارے ربّ یقیناً تُو بہت شفیق اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اب یہ اکیلی آیت ہی شیعہ مذہب کو جڑوں سے اکھیڑ دیتی ہے کیونکہ شیعہ مذہب کی بنیاد یہ ہے کہ وہ جو پہلے ایمان لائے ان سب کی برائی کی جائے اور امیر المومنین کو امیر الفاسقین سمجھا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں کو فاسق فاجر سمجھنا ان کے نزدیک نیکی ہے حالانکہ یہ تینوں بعد میں آنے والوں سے بہت پہلے سے ایمان لائے تھے اور نہایت مشکل وقت میں ایمان لائے تھے جبکہ ایمان لانا کسی معمولی انسان کے بس کی بات نہیں تھی، بے حد قربانیاں دینی پڑتی تھیں۔انہوں نے آغاز سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے وصال تک آپ کے ساتھ کامل وفاداری کا سلوک کیا۔ تو جو لوگ ان کو برا کہیں ان کا اپنا ایمان ختم ہو جاتا ہے اور جو ان میں سے سچے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتے۔یہی بات غالباً حضرت امام باقر نے کہی تھی مگر اس وقت مجھے حوالہ یاد نہیں۔

اب ایک آیت ہے، آخری آیت جو اس خطبہ کی ہے اس کے بعد پھر اگلے خطبوں سے دوسرا مضمون شروع ہوگا۔وہ ہے ﴿هُوَاللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ . عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ . هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ (الحشر:۲۳) وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔غیب کا جاننے والا ہے اور حاضر کا بھی۔وہی ہے جو بن مانگے دینے والا، بے انتہاء رحم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''وہ ذات پاک جس کا نام ہے اللہ، تمام صفات کاملہ سے موصوف، تمام برائیوں سے پاک، وہ جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں، اپنی ذات کو جو تمام غیبوں کا غیب ہے آپ ہی جانتا ہے''۔

اب یہاں یہ نکتہ معرفت کا اس سے پہلے مَیں نے کسی اور مفسر کی زبان سے نہیں سنا، یا قلم سے نہیں پڑھا۔ فرماتے ہیں: ''اپنی ذات کو جو تمام غیبوں سے غیب ہے آپ ہی جانتا ہے''۔یعنی اللہ تعالیٰ جب کہتے ہیں عالم الغیب تو سب سے زیادہ تو وہ خود غیب ہے جو ہماری ظاہری نظروں اور آنکھوں سے غیب رہتا ہے اور اپنے آپ کو جانتا ہے کہ مَیں کون ہوں۔ ''تمام ان اشیاء کو جو موجود ہو کر فنا ہو گئیں یا اب تک ابھی پیدا ہی نہیں ہوئیں صرف اس کے علم میں ہی ہیں اور تمام موجودات کو جانتا ہے، وہ رحمٰن بروں بھلوں سب کا روزی رساں ہے۔ بن مانگے فضل کرنے والا۔ وہ رحیم جو پہلوں کو اپنے فضل اور رحم سے بخشے اور کسی کے سوال اور محنت کو ضائع نہ کرے''۔(تصدیق براہین احمدیہ صفحہ ۲۵۴)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وہ خدا جو واحد لاشریک ہے جس کے سوا کوئی بھی پرستش اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔یہ اس لئے فرمایا کہ اگر وہ لاشریک نہ ہو تو شاید اس کی طاقت پر دشمن کی طاقت غالب آجائے''۔یعنی اگر کوئی اور اللہ بھی ہو اور وہ اس کا شریک ہو تو پھر تو ان دونوں خداؤں کے درمیان ایک جنگ ہونی چاہئے۔ ہر حکومت دوسری حکومت پر چڑھائی کرتی ہے اور اپنے آپ کو غالب دیکھنا چاہتی ہے اور یہ ایسی ایک فطرتی بات ہے کہ جس سے اگر خدا کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو وہ بھی یہ صفت رکھتا کہ اپنے سوا کسی کی خدائی برداشت نہ کرتا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ کوئی اور خدا ہے تو زمین و آسمان ﴿لَفَسَدَتَا﴾ یہ دونوں فساد سے بھر جاتے۔

پس یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ اس کی وحدانیت ہی میں ہمارا امن ہے۔اگر وحدانیت نہ ہوتی تو کوئی قانون قدرت بھی دوسرے قانون قدرت سے مطابق نہ ہوتا۔ایک قانون کسی ایک خدا کا بنایا ہوتا، ایک دوسرا قانون کسی اور خدا نے بنایا ہوتا اور وہ قانون ہی آپس میں ٹکراتے رہتے لیکن ساری کائنات کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں آپ کو کہیں کوئی قانون قدرت کسی دوسرے قانون قدرت سے ٹکراتا ہوا دکھائی نہیں دیتا اور اسی کا نام آئن سٹائن نے سمٹری (Symmetry) رکھا ہے۔کسی زمانہ میں جب وہ ابھی زیادہ متکبر نہیں ہوا تھا اس نے بے اختیار یہ کہا کہ اگر خدا تعالیٰ کی ہستی کا کوئی اور ثبوت نہ بھی ہو تو یہی ثبوت بہت کافی ہے کہ اس کی کائنات میں عجیب سمٹری (Symmetry) ہے۔ ہر قانون دوسرے قانون سے مطابقت رکھتا ہے۔ ہر قانون دوسرے قانون کے ساتھ چل کر اسے سہارا دیتا ہے نہ کہ اس کی مخالفت کرتا ہے۔پس یہ سمٹری (Symmetry) اکیلی بھی اہل علم کے لئے کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی ہستی کو تسلیم کریں کوئی اور قانون نہیں سوائے ایک قانون کے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس صورت میں خدائی معرضِ خطر میں رہے گی اور یہ جو فرمایا کہ اس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں، اس سے یہ مطلب ہے کہ وہ ایسا کامل خدا ہے جس کی صفات اور خوبیاں اور کمالات ایسے اعلیٰ اور بلند ہیں کہ اگر موجودات میں سے بوجہ صفاتِ کاملہ کے ایک خدا انتخاب کرنا چاہیں یا دل میں عمدہ سے عمدہ اور اعلیٰ سے اعلیٰ خدا کی صفات فرض کریں تو وہ سب سے اعلیٰ جس سے بڑھ کر کوئی اعلیٰ نہیں ہو سکتا، وہی خدا ہے''۔

اب صفات باری تعالیٰ پر غور کر کے دیکھ لیں ان سے بہتر صفات سوچی نہیں جا سکتیں اور باوجود اس کے کہ اس وقت تک ہمیں ننانوے نام معلوم ہیں اور بھی بہت سے نام ہیں جو آئندہ بڑھتے چلے جائیں گے اور دریافت ہوتے چلے جائیں گے۔ان ناموں میں کوئی ایک نام بھی دوسرے سے تضاد نہیں رکھتا، ہر نام اور ہر صفت دوسرے نام اور دوسری صفت کی تائید کرنے والا ہے۔

''پھر فرمایا کہ: عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا''۔اب یہ بھی وہی حضرت خلیفۃ المسیح اول والی بات ہے اور معلوم ہوتا ہے آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے لی تھی۔یہ کہنا کہ ''عالم الغیب ہے یعنی اپنی ذات کو آپ ہی جانتا ہے اس کی ذات پر کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ ہم آفتاب اور ماہتاب اور ہر ایک مخلوق کا سراپا دیکھ سکتے ہیں مگر خدا کا سراپا دیکھنے سے قاصر ہیں''۔

پھر فرمایا کہ: وہ عالم الشہادۃ ہے یعنی کوئی چیز اس کی نظر سے پردہ میں نہیں ہے۔یہ جائز نہیں کہ خدا کہلا کر پھر علمِ اشیاء سے غافل ہو، وہ اس عالم کے ذرّہ ذرّہ پر اپنی نظر رکھتا ہے لیکن انسان نہیں رکھ سکتا۔وہ جانتا ہے کہ کب اِس نظام کو توڑے گا اور قیامت برپا کر دے گا اور اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ایسا کب ہوگا؟ سو وہی خدا ہے جو ان تمام وقتوں کو جانتا ہے۔ پھر فرمایا ﴿هُوَالرَّحْمٰنُ﴾ یعنی وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے، نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کے پاداش میں اُن کے لئے سامانِ راحت میسّر کرتا ہے''۔

اس مضمون پر مَیں پہلے بھی بارہا روشنی ڈال چکا ہوں کہ انسان کی پیدائش سے پہلے بھی، بہت پہلے کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ وہ تمام چیزیں پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کر دیئے جن چیزوں کی انسان کو مختلف ترقی کے مدارج میں ضرورت پڑ سکتی تھی۔ ہر وہ چیز اس وقت دریافت ہوئی جب انسان اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا، جب استفادہ نہیں کر سکتا تھا وہ دریافت ہی نہیں ہوئیں۔ پس یہ سارا لمبا سفر ہے انسانی ارتقاء کا یعنی انسانی علم کے ارتقاء کا اور جب اس کا علم ایک حد سے آگے بڑھا تو اس وقت اس کی ضرورت کی چیز اچانک اس کی آنکھوں سے سامنے آگئی کہ یہ تو ہماری پیدائش سے پہلے ہی پیدا شدہ ہے تو یہ رحمٰن ہے۔

وہ جانداروں کی ہستی اور ان کے اعمال سے پہلے محض اپنے لطف سے، نہ کسی غرض سے اور نہ کسی عمل کی پاداش میں ان کے لئے سامان راحت میسر کرتا ہے جیسا کہ آفتاب اور زمین اور دوسری تمام چیزوں کو ہمارے وجود اور ہمارے اعمال کے وجود سے پہلے ہمارے لئے بنا دیا۔ اس عطیہ کا نام خدا کی کتاب میں رحمانیت ہے"۔

قرآن کریم کے متعلق بھی یہ جو بحث چلی ہے مخلوق ہے کہ غیر مخلوق اس کو یہ بات ہمیشہ کے لئے حل کر دیتی ہے ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ یعنی انسان کو پیدا کیا اور بیان یعنی کلام کو پیدا نہیں کیا بلکہ سکھایا ہے۔ پس قرآن غیر مخلوق ہے اور ازل سے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

"اس کام کے لحاظ سے خدائے تعالیٰ رحمان کہلاتا ہے اور پھر فرمایا کہ ﴿اَلرَّحِيْمُ﴾ یعنی وہ خدا نیک عملوں کی نیک تر جزاء دیتا ہے اور کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور اس کام کے لحاظ سے رحیم کہلاتا ہے"۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی صفحہ ۵۸۔۵۹)

اب یہ رحیمیت کا جو مضمون چل رہا تھا آج اس مضمون کو ختم کر رہا ہوں اور آئندہ سے انشاءاللہ تعالیٰ دوسری صفات باری تعالیٰ میں سے بعض صفات کا ذکر چلے گا جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے جو ایک انسانی زندگی میں ختم نہیں ہو سکتا۔ پس جہاں تک اللہ تعالیٰ توفیق دے گا انشاءاللہ اس مضمون کو آگے بڑھاتا رہوں گا۔